نظریۂ وحدت ادیان کا جائزہ

(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)

محترمہ رمیصاء مریم

وحدت ادیان سے اصطلاحی طور پر یہ مراد لیا جاتا ہے کہ تمام مذاہب کا سرچشمہ ایک ہی بزرگ و برتر ذات ہے ، جسے مسلمان اللہ، ہندو ایشور اور انگریز گاڈ(God) کہتے ہیں۔مختلف مذاہب میں عبادتِ الٰہی کے مختلف طریقے پائے جاتے ہیں، اس بنا پر سب ہی انسانوں کو تمام مذاہب کا احترام کرنا چاہیے اور ان کے ماننے والوں سے حسن سلوک اور محبت رکھنی چاہیے۔ یہ بات کہنی درست نہیں ہے کہ آخرت میں نجات کسی ایک مذہب کی پیروی میں منحصر ہے۔

فلسفۂ وحدت ادیان کی جتنی بھی تعریفات کی گئی ہیں ان کا مرکزی خیال یہی ہے کہ تمام مذاہب یکساں اور برحق ہیں اور کسی بھی مذہب کی پیروی سے کائنات کے خالق کی رضا اور خوش نودی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ہر مذہب اس دنیا کے مالک حقیقی کی طرف پہنچنے کا ذریعہ ہے، لہٰذا انسان کوئی بھی مذہب اختیار کرے، وہ جنت کا مستحق ہوگا۔ لہٰذا کسی ایک مذہب والوں (خصوصاً اہل اسلام) کا اس بات پر اصرار کہ اب تا قیامت نجات کی سبیل صرف ہمارے مذہب ہی میں ہے، یہ (معاذ اللہ) ایک بے جا سختی ،تشدد یا انتہا پسندی ہے،جس کا خاتمہ از حد ضروری ہے۔ڈاکٹر احمد بن عبد الرحمن وحدت ادیان کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> **هو الاعتقاد بصحة جميع المعتقدات الدينية، و صواب جميع العبادات، و انها طرق الى غاية واحدة** [۱]
>
> یہ اعتقاد رکھنا کہ تمام مذاہب درست اور عبادتوں کے تمام طریقے ٹھیک

ہیں اور وہ سب ایک ہی منزل تک پہنچانے والے الگ الگ راستے ہیں۔

بسام داوٗد عجک کہتے ہیں:

قضية وحدة الأديان التی تری أن الأديان كلّها ذات أصول واحدة، و متفقة فی أهدافها و عقائدها و شرائعها، فلا خلاف فی الحقيقة بين الأديان الا فی المظاهر و الطقوس و العبادات ۲؎

وحدت ادیان کے نظریہ کی بنیاد اس پر ہے کہ تمام ادیان ایک ہی اصول پر قائم ہیں اور وہ اپنے اہداف، عقائد اور شرائع کے معاملے میں یکساں ہیں، ان کی بنیادی حقیقت ایک ہی ہے، بس ان کے ظاہری رسوم و رواج اور عبادت کے طریقے الگ الگ ہیں۔

وائی مسیح کی نظر میں وحدت ادیان کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

There is one religion of the supreme spirit, all othe religions are so many dialects of the same religion of the supreme spirit.3

مولانا وحید الدین خاں نے اس کی یہ تعریف کی ہے:

"وحدت ادیان ایک مستقل نظریہ ہے۔ اس کے ماننے والوں کا کہنا ہے کہ تمام موجود مذاہب اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک ہیں۔ ان میں جو فرق ہے، وہ اس کے ظاہری فارم (Form) کے اعتبار سے ہے اور یہ فرق اضافی (Relative) ہے، نہ کہ حقیقی (Real)۔ اس نظریے کے مطابق تمام موجود مذاہب سچے ہیں۔ ان میں جس مذہب کو بھی آدمی اختیار کرے، وہ اس کے لیے نجات (Salvation) کا ذریعہ بن جائے گا۔ نجات کسی ایک مذہب کی اجارہ داری نہیں"۔ ۴؎

مولانا سلطان احمد اصلاحی وحدت ادیان کی تمام تعریفوں کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"منزل ایک ہو تو راستوں کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمام مذاہب میں حق و انصاف، انسانوں کی خدمت، انسان دوستی اور انسانی بھائی چارے کی

تعلیم دی گئی ہے، اس لیے تمام انسانوں کو تمام مذاہب کا یکساں ادب واحترام ملحوظ رکھنا چاہیے۔ کسی مذہب کے پیروؤں کا یہ احساس کہ حق وصداقت تنہا انہی کے مذہب کے ساتھ ہے اور آخرت کی نجات کے لیے تنہا اسی مذہب کی پیروی ضروری ہے، مذہب کے سلسلے میں یہ بے جا تشدد اور سختی کا رویہ ہے، جس سے مختلف مذاہب کے درمیان پر امن بقائے باہم کے عظیم مقصد کو نقصان پہنچتا ہے۔ دانش مندی اور سمجھ داری کا راستہ یہ ہے کہ بے جا مذہبی تشدد کے راستے کو چھوڑ کر تمام مذاہب کا یکساں احترام اور یکساں طور پر ہر ایک کی صداقت وحقانیت کو تسلیم کیا جائے۔ تمام مذاہب کا سرچشمہ ایک ہی بزرگ و برتر ذات ہے، جسے ناموں کے اختلاف سے خدا، بھگوان اور God پکارا جاتا ہے۔ مختلف مذاہب خدا کی بندگی اور اس کو خوش کرنے کے مختلف ذرائع ہیں۔ تمام مذاہب کا یکساں احترام اور ہر ایک کی یکساں صداقت کو تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ یہ ہے وحدت ادیان کے اس نظریے کا خلاصہ جس کا آج (آزاد ہندوستان میں) ہر جگہ چرچا ہے''۔ ۵؎

وحدت ادیان کے اس نظریہ کے متاثرین میں آج ایک کثیر گروہ شامل ہے، جن میں سے اکثریت کا تعلق ہندوستان سے ہے۔ دانش وروں کا ایک قابل لحاظ طبقہ بھی اس فلسفہ کی صداقت وحقانیت کو تسلیم کرتا اور اپنے ذرائع سے اس کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں میں بھی ایسے افراد کی کمی نہیں جو اس نظریہ کو راہ راست سمجھتے ہیں اور اس کے پرعزم داعی ہیں۔

وحدت ادیان کی اقسام

وحدت ادیان کی کوئی ایک شکل نہیں ہے۔ اس کی مختلف قسمیں ہیں:

(الف) وحدت صغریٰ

اس سے مراد ہے ایسے تمام ادیان کو ایک دین میں شامل کرنا جو آسمانی ہیں، یعنی سامی ادیان کی وحدت، جن میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔

محمد عبد الرحمن عوض اس کی وضاحت کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''وحدت ادیان صغریٰ میں ان ادیان کو جمع کرنا مقصود ہے جن کا اختتام دین ابراہیمی پر ہوتا ہے، یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام۔ اسے وحدت ادیان سماوی کہا جاتا ہے۔تینوں کے مجموعے کو'الابراہیمیۃ' کہا جاتا ہے، جو حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب ہے''۔۶؎

ڈاکٹر خالد الجریسی لکھتے ہیں:

''وحدت ادیانِ سماوی سے مراد اسلام، یہودیت اور عیسائیت کو لیا جاتا ہے اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ تمام ادیان کے عبادت خانے بھی یونی ورسٹیوں، ہوائی اڈوں اور پبلک مقامات پر، ایک ہی احاطہ میں ہوں اور ایک ہی غلاف میں تورات، انجیل اور قرآن ملفوف ہوں''۔۷؎

(ب)وحدت کبریٰ

اس سے مراد دنیا میں موجود تمام مذاہب اور نظریات کی وحدت ہے۔ڈاکٹر احمد بن عبد الرحمن اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''اس وحدت میں تمام مذاہب، حتیٰ کہ بت پرست قوموں کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔حتیٰ کہ ملحدین بھی اس گروہ میں شمار کیے جاتے ہیں، کیوں کہ بت پرست قومیں سابقہ انبیاء کی نشانیاں ہیں اور ملحدین بھی 'انسانیت'(Humanism) پر ایمان رکھتے ہیں۔ ۸؎

مترادف اصطلاحات

نظریۂ وحدت ادیان کے لیے کئی اور اصطلاحات بھی استعمال کی جاتی ہیں، مثلاً'' **توحید الأدیان ، توحید الأدیان الثلاثة، الابراهیمیة ، الملّة الابراهیمیة ، وحدة الدین الالٰهی، المؤمنون، المؤمنون المتحدون، الناس المتحدون، الدیانةالعالمیة، التعایش بین الأدیان، الملّیون، العالمیةوتوحید الأدیان** ۹؎

فلسفۂ وحدت ادیان کی تاریخ

یہ کوئی نیا نظریہ نہیں ہے اور نہ اس صدی کی پیداوار ہے، بلکہ ایک نظریہ اور آئیڈیالوجی کے طور پر اس کی جڑیں بہت قدیم ہیں، جو حالات اور واقعات کے مطابق اپنا رنگ ڈھنگ تبدیل کر کے نت نئے طریقوں سے سامنے آتی ہیں۔ شیخ بکر بن عبداللہ بن ابوزید لکھتے ہیں:

> ''یہ یہود و نصاریٰ کا نظریہ ہے۔ یہ محض اپنی علامات اور نشانیوں کی بنا پر نیا ہے، ہر جگہ مسلمانوں میں مکمل طور پر اس کی فکر سرایت کر چکی ہے، کیوں کہ اس کے ذریعے کوشش ہے کہ مسلمانوں سے اسلام کی دولت چھین لی جائے، ورنہ فی الحقیقت یہ نظریہ قدیم ہے۔ یہ یہود و نصاریٰ کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہیں''۔ ۱۰؎

اگر اس نظریہ کا تاریخی اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو اس کے منظر عام پر آنے، عوامی سطح پر پھیلاؤ اور اس کے اثرات کے اعتبار سے اس کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ شیخ بکر بن عبداللہ اور جناب مقصود الحسن فیضی نے اس کے وجود و ارتقاء کے چار مراحل بیان کیے ہیں:

- پہلا مرحلہ: عہدِ نبوی ﷺ
- دوسرا مرحلہ: مابعد زمانہ خیر القرون
- تیسرا مرحلہ: اوائل چودھویں صدی
- چوتھا مرحلہ: عصر حاضر ۱۱؎

اس زمانی ترتیب اور اس کے تاریخی ارتقاء کی روشنی میں مختلف گروہوں اور اس فکر کے مؤیدین کے وجود و ارتقاء اور پھیلاؤ کا ایک اجمالی ساخاکہ ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:

مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ

اس میں شک نہیں کہ سب سے پہلے مشرکین مکہ نے اسلام قبول کرنے

والوں کے ساتھ ظلم وستم اور تشدد کا راستہ اختیار کیا، لیکن جب اس میں کام یاب نہ ہو سکے تو سودے بازی پر اتر آئے اور 'کچھ لو، کچھ دو' کے اصول کو اپنا کر اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔

سورۃ الکافرون کا سبب نزول تمام مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ مشرکینِ مکہ نے نبی ﷺ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ ایک سال ہم آپ کے معبود (اللہ وحدہ لا شریک لہ) کی عبادت کریں اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں۔ ہم حق پر ہوئے تو آپ کو بھی ایک حصہ حق کا مل جائے گا اور ہمیں آپ کے دین حق میں سے ایک حصہ مل جائے گا، وغیرہ۔اس پر سورۃ الکافرون نازل ہوئی۔ ۱۲؎

علامہ جصاص رازی اس سورت کی آیت 'وَلَا اَنتُم عَابِدُونَ مَا اَعبُد' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

فانها قد دلّت على أن الكفر كله ملة واحدة، لأنّ من لم يسلم منهم مع اختلاف مذاهبهم مرادون بالآية، ثم جعل دينهم ديناً واحداً و دين الاسلام ديناً واحداً، فدلّ على أن الكفر مع اختلاف مذاهبه ملة واحدة۔ ۱۳؎

یہ آیت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ کفر کے حاملین ایک ملت ہیں۔ مختلف مذاہب کے لوگ، جو اسلام نہیں لائے تھے، یہاں وہ سب مراد ہیں۔ان کے دین کو ایک دین کہا گیا ہے اور اسلام کو الگ دین قرار دیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کفر کے ماننے والے الگ الگ مذاہب کے باوجود ایک ملت ہیں۔

یہود اور نصاریٰ بھی کہا کرتے تھے کہ چاہے یہودیت قبول کرلو، چاہے نصرانیت اختیار کرلو، ہدایت مل جائے گی۔اس کا رد کیا گیا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ (البقرة: ۱۳۵)

یہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔تم کہو: بلکہ صحیح

راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں اور ابراہیم خالص اللہ کے پرستار تھے اور مشرک نہ تھے۔

وحدۃ الوجود اور غلو پر مبنی صوفیہ کے نظریات

تصوف کے حاملین میں جب غلط افکار نے جڑ پکڑی تو اس کی بنا پر وحدتِ ادیان کے فتنے نے سر ابھارا اور انھوں نے یہاں تک کہہ دیا گیا کہ تمام مذاہب اور عبادت کے تمام طریقوں سے اللہ کی خوش نودی حاصل کی جا سکتی ہے۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر نے نیکلسن کے حوالے سے لکھا ہے:

''عیسائیت، جدید افلاطونی افکار، بدھ ازم سمیت کئی افکار اور فلسفے ہیں جن کا اسلامی تصوف پر گہرا اثر ہے۔ جس زمانے میں تصوف پروان چڑھا، اس زمانے میں ان تمام مذاہب اور فلسفوں کا غلغلہ تھا، لہٰذا تصوف پر ان کی گہری چھاپ کا لگنا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت سی دلیلیں شاہد ہیں۔ خلاصۂ کلام کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ تیسری صدی میں تصوف ایک مسلک کے طور پر سامنے آیا، جو بہت سے افکار اور خیالات کا نتیجہ تھا۔ اس میں اسلامی عقیدۂ توحید کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کا تصورِ رہبانیت اور ہندوؤں اور یونانیوں کا فلسفہ بھی شامل تھا''۔ ۱۴؎

علم تصوف میں شامل ہونے والے تین نظریات: وحدۃ الوجود، حلول اور اتحاد، آخر میں وحدت ادیان ہی کی طرف رہ نمائی کرتے ہیں۔ مثلاً ابن عربی کے ایک شعر سے اس کی ترجمانی کچھ اس طرح ہوتی ہے:

لقد صار قلبی قابلا کل صورۃ فمرعی لغزلان و دیر لرھبان
و بیت لأوثان و کعبۃ طائفٍ و ألواح توراۃ و مصحف قرآن
أدین بدین الحب أنی توجھت رکائبہ فالحب دینی و ایمانی ۱۵؎

میرا دل ہر صورت قبول کر لیتا ہے، ہرن کی چراگاہ ہو یا کسی راہب کی کٹیا، بت کدہ ہو یا طائف کا کعبہ، تورات کی تختیاں ہوں یا مصحف قرآن، میں دینِ محبت کا ماننے والا ہوں، اس کے سوار جہاں چلے

جائیں، محبت ہی میرا دین وایمان ہے۔

اسی عقیدہ کے حامل ایک اور صوفی شاعر کے خیالات شعر کے قالب میں کچھ اس طرح ڈھلتے ہیں:

مسلم أنا ولكنى نصراني و برهمي و زرداشتي

توكلت عليك ايها الحق الأعلىٰ ليس لي سوى معبد واحد

مسجد أو كنيسة أو بيت أصنام و وجهك الكريم فيه غاية نعمتى ۱۶؎

میں مسلمان ہوں، لیکن نصرانی، برہمن، زردشت بھی ہوں، اے حق تعالیٰ! تجھ پر میں اعتماد رکھتا ہوں، میرے لیے ایک ہی عبادت گاہ ہے: مسجد ہو یا کنیسہ یا بت کدہ۔ تیرا معزز چہرہ میری لذتوں کی انتہا ہے۔

شیخ بکر بن عبداللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"نظریۂ وحدت ادیان کو کچھ ایسے داعی ومبلغ میسر آئے جو وحدۃ الوجود، اتحاد اور حلول کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یہ ملحد صوفیہ کا گروہ تھا، جس کا تعلق مصر، شام، فارس اور عجم کے علاقوں سے تھا۔ غالی قسم کے روافض ان کے وارث بنے۔ انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہود و نصاریٰ بننا بھی جائز ہے، بلکہ ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو یہودی و عیسائی ہونے کو مسلمان بننے پر فوقیت دیتے تھے"۔ ۱۷؎

ان نظریات کے عروج کے وقت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے دلائل سے ان کا مقابلہ کیا اور اپنی کئی کتب میں ان کا زبردست رد کیا۔ ۱۸؎

بھکتی تحریک

جب مسلمان تاجر ہندوستان میں آئے اور انھوں نے اخلاق ومساوات کا بہترین نمونہ پیش کیا تو ہندوؤں کے ذات پات، چھوت چھات پر قائم معاشرہ کی بنیادیں ہلنے لگیں۔ اس وقت ہندو مفکرین اور مذہبی مصلحین نے اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک نیا طریقہ اختیار کیا۔ انھوں نے اسلام کی روح کو مسخ کرنے

اور مسلمانوں کی تہذیبی وتمدنی انفرادیت کو ختم کرنے کے لیے ایک نیا فرقہ تشکیل دیا، جو 'بھگتی تحریک' کہلاتا ہے۔ یہ تحریک ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہب کے اتحاد کی ایک مقبول عام کوشش کے طور پر مشہور ہے۔ اس کا سب سے مشہور داعی 'کبیر' ہے، جو ہندو مسلم عقائد کی وحدت کا ایک بڑا علم بردار تھا۔ اس نے دونوں مذاہب کے مشترک عناصر اور باہمی مشابہتوں کا انتخاب کیا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے فلسفیانہ تصورات وشعائر مذہب کے مابین بہت سی مماثلتیں نکال کر ایک درمیانی راہ کی تعلیم دی۔ وہ کہتا ہے:

> ''ہندو مندر میں جاتے ہیں اور مسلمان مسجد میں، لیکن کبیر اس جگہ جاتا ہے جہاں ہندو اور مسلم دونوں جاتے ہیں۔ دونوں ادیان دو شاخیں ہیں اور ان کے بیچ سے ایک شاخ پھوٹتی ہے جو دونوں سے آگے نکل گئی ہے۔۔۔ اگر تم کہو کہ میں ہندو ہوں تو یہ صحیح نہیں اور اگر کہو کہ میں مسلمان ہوں تو یہ بھی صحیح نہیں۔ میں عناصر خمسہ کا وہ مرکب جسم ہوں جہاں وہ غیبی کارفرما ہے۔ بالیقین مکہ معظّمہ کاشی ہو گیا ہے اور رام رحیم ہو گیا ہے۔''[19]

کبیر چوں کہ ہندو اور مسلم کو ایک ساتھ خطاب کرتا ہے، اس لیے خدا کے لیے رام، ہری گوبند، برہما، سمرتھا، سائیں، اللہ، رحمان، رحیم تمام الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس کا مشہور قول ہے کہ: ''اہل شعور کا مذہب ایک ہی ہے، خواہ وہ پنڈت ہوں یا شیوخ''۔[20]

ڈاکٹر تاراچند نے کبیر کے افکار پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

> ''کبیر نے اسلام اور ہندومت کے امتزاج کی اولین کوشش کی۔ جنوبی ہند کے ہندو گروہوں نے مسلم عناصر کو جذب کر لیا تھا، لیکن کبیر وہ پہلا شخص ہے جس نے ایک مرکزی مذہب، ایک بیچ کی راہ کا بے باکانہ آگے آ کر اعلان کیا۔ کبیر کے بے شمار ہندو مسلم ماننے والے تھے، لیکن کبیر کے پیرو ان مذہب کی تعداد اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنا کہ کبیر کا وہ اثر جو پنجاب،

گجرات اور بنگال تک پھیل گیا اور دورِ مغلیہ میں بڑھتا گیا: یہاں تک کہ ایک 'عاقل بادشاہ' نے اس کے مذہب کی قدر و قیمت کا اندازہ کرتے ہوئے یہ کوشش کی کہ اس کو سرکاری مذہب بنالیا جائے۔۲۱

اکبر کا دینِ الٰہی

وہ 'عاقل' بادشاہ، جس کی طرف ڈاکٹر تارا چند نے اشارہ کیا تھا کہ اس نے کبیر کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس کے مذہب کو سرکاری طور پر رائج کرنے کی کوشش کی، وہ کوئی اور نہیں، مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر ہے۔ اس کے دور میں اسلام اور ملت اسلامیہ کی انفرادیت کو مٹا کر مذاہب کی مشترک اور مخلوط بنیادوں پر وطنی قومیت اور متحدہ کلچر کو فروغ دیا گیا اور وحدتِ ادیان کے نعرے سے متاثر اکبر نے اتحادِ مذاہب کی نمایاں مثال پیش کی۔

عزیز احمد اس کی فکر کے متعلق لکھتے ہیں:

"۱۵۷۹ء اور ۱۵۸۲ء کے درمیان اکبر اپنے روحانی تجربات کے نہایت نازک دور سے گزرا۔ ۱۵۸۱ء میں اس نے اپنے دین الٰہی کا اعلان کیا، جس میں عقل کو مذہب کے سمجھنے کے لیے بنیاد قرار دینے پر زور دیا گیا"۔۲۲

دین الٰہی کے بنیادی نکات درج ذیل تھے:

۔دس صفات کی تلقین: وسیع القلبی، برے افعال پر صبر اور نرمی کے ساتھ غصہ کو دفع کرنا، زہد و اجتناب، شدید مادی مشاغل سے علیٰحدگی، تقوی، دین داری، ہوش مندی، شرافت، مہر و محبت، خدا سے لگاؤ، اور خدا طلبی کی آرزو میں روح کی صفائی۔

۔سورج، نور اور نار کے ساتھ غیر معمولی شغف۔ (آفتاب پرستی یعنی پارسی مذہب کی شمولیت)

۔گوشت خوری سے حتی الوسع اجتناب۔

۔ہندو تہوار دیوالی کے موقع پر گائے کی پرستش۔

۔گنگا جل کو متبرک قرار دینا۔

۔ ہندو عورتوں سے شادی اور صلح کل کے نام پر بت پرستوں کو اہل کتاب قرار دینا۔ ۲۳؎

بابائیت یا بہائیت

وحدت ادیان کا پرچار کرنے والے گروہوں اور تحریکوں میں سے بابیت اور بہائیت بھی ہیں، جنھوں نے شریعتِ اسلامیہ کو منسوخ قرار دیا اور ایک نئی شریعت بنا کر پیش کی گئی۔ اس تحریک کا بانی تو علی محمد باب تھا، جس نے ابتدا میں 'باب' (امام مہدی اور لوگوں کے درمیان واسطہ) ہونے کا دعویٰ کیا، پھر آگے چل کر نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ اس نے ایک نیا 'قرآن' بھی لکھا اور اسلامی شریعت کی منسوخی کا اعلان کیا۔ اس کے بعد اس کا سب سے خاص مرید مرزا حسین علی المعروف بہاؤ اللہ نے نبوت کا اعلان کیا۔ اس طرح بابائیت، بہائیت میں تبدیل ہو گئی۔

بہاؤ اللہ نے جو نیا دین پیش کیا اس کی مندرجہ ذیل پانچ تعلیمات سب سے اہم ہیں: (۱) وحدتِ ادیان (۲) وحدتِ اوطان (۳) وحدتِ لسان (۴) امن عالم بذریعہ ترکِ جہاد (۵) مساواتِ مرد و زن ۲۴؎

اس کی پہلی تعلیم وحدتِ ادیان سے متعلق ہے، جس میں اس کا یہی عقیدہ ہے کہ باقی رہنے والی چیز اتحاد و اتفاق ہے۔ اس کا بیٹا عبدالبہا، جو کہ اسی عقیدہ کا حامل ہے، لکھتا ہے:

> A fundamental teaching of Baha'u'llah is the oneness of the world of humanity. Addressing mankind he says: "Ye are all leaves of one tree and the fruits of one branch" By this it is meant that the world of humanity is like a tree, the nations or peoples are the different limbs or branches of that tree and the individual human

creatures are as the fruits and blossoms thereof. His Holiness Baha'ullah has announced that the foundation of all the religions of God is one; that oneness is truth and truth is oneness which does not admit of plurality".25

یعنی بہائی عقائد کے مطابق اس دنیا میں انسانیت ایک ہے اور تمام ادیان، مذاہب اور افکار کی بنیاد اور جڑ بھی ایک ہے، جو وحدتِ ادیان پر قائم ہے۔

فری میسن تحریک

فری میسنز ی یہودیوں کی سب سے بڑی اور خفیہ عالمی تنظیم ہے، اس کے ارکان کا تعلق مختلف مذاہب اور اقوام سے ہوتا ہے، جن کو فری میسن کہا جاتا ہے۔ ۲۶ یہ تنظیم اپنے اثرات اور اسرار کے باعث بہت سے افراد کے لیے ایک معمہ کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اس کا ایک مقصد تمام ادیان کو ختم کرکے اس کی جگہ انسانی اخلاقیات کا ایک منشور پیش کرنا ہے، جس کے لیے وقتاً فوقتاً کی جانے والی کوششیں منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔ شیخ بکر بن عبداللہ لکھتے ہیں:

''ایک عرصہ تک لوگوں کے دلوں میں یہ تباہ کن سازش پوشیدہ رہی۔ وہ اسلام کا برائے نام دعوی کرتے اور دلوں میں کفر والحاد چھپاتے رہے۔ بالآخر اسے ماسونیت (فری میسن) نے اختیار کرلیا۔ یہ یہودی تنظیم ہے، جس کا مقصد الحاد اور اباحیت کی اشاعت تھا۔ اس نے تینوں مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) کی وحدت کی دعوت دی اور اللہ پر ایمان کے معاملے میں مذہبی تعصب ترک کرنے کا نعرہ دیا۔ اس کی نظر میں سب مؤمن ہیں ۲۷

اس تنظیم کا ہدف یہ ہے کہ تمام مذاہب کو ختم کرکے یا ان کا چربہ بنا کر ایک 'مذہبِ انسانیت' تشکیل دیا جائے۔ جوادرفعت اتلخان نے لکھا ہے:

’’عالمی ماسونیت کا اس دعوت کو عام کرنے میں زبردست کردار رہا کہ تمام ادیان کو ختم کر کے ایک دین کو باقی رکھا جائے، جس کا انھوں نے ’بین الاقوامی انسانی وحدت‘ نام دیا‘‘۔ ۲۸ ؎

نظریۂ وحدتِ ادیان کے حاملین کی سرگرمیاں

۔ پوپ نے اپنے آپ کو پوری دنیا کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ وہ تمام ادیان کا روحانی و مذہبی قائد، عالم اسلام اور عام انسانیت کا رہ نما اور بین الاقوامی پیغام کا حامل ہے۔

۔ پوپ نے ۲۷/اکتوبر ۱۹۸۶ء کے دن کو تمام ادیان کی عید اور عام بھائی چارے کا دن قرار دیا، پھر ایک ترانہ تیار کیا گیا، جسے تمام لوگ پڑھنے لگے۔

۔ اس نظریہ کو پھیلانے کے لیے تمام عالم اسلام میں اجتماعات، اجلاس، مکالمے اور مذاکرے کیے گئے اور جماعتیں تشکیل دی گئیں، جو ایک دین کی دعوت دیں اور اس کے لیے محافل ومجالس کا انعقاد کریں۔

۔ ۱۵، ۱۶ فروری ۱۹۸۷ء کو ایک اجلاس میں اس تنظیم کا ’المؤتمر الابراہیمی‘ کے نام سے متعارف کرایا گیا۔ یہ اجلاس قرطبہ میں ہوا۔ اس میں شرکت کرنے والوں میں یہودی، قادیانی، اسماعیلی، باطنی فرقے اور مسلمان بھی شامل تھے۔ اس اجلاس میں ’مؤتمر الحوار الدولی للوحدۃ الابراہیمیۃ‘ کے نام سے مذاکرے اور مکالمے ہوئے۔ اس کے علاوہ ایک اور ادارہ بنایا گیا، جس کا نام ’معہد قرطبہ لوحدۃ الادیان فی اوربا‘ رکھا گیا۔

۔ مارچ ۱۹۸۷ء میں ایک جماعت بنائی گئی، جس کا نام ’المؤمنون المتحدون‘ رکھا گیا۔

۔ ایک اور جماعت بنائی گئی جس کا نام ’نادی الشباب المتحدین‘ تجویز کیا گیا۔

۔ اسی طرح ایک اور جماعت بنائی گئی، جس کا نام ’الناس المتحدون‘ رکھا گیا۔

۔ ایسی تنظیمیں اور جمعیتیں بنائی گئیں جن کا ہدف یہ تھا کہ مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان جو امتیازی اوصاف ہیں، انہیں ختم کر دیا جائے۔

اس کے لیے ایک نام 'موحدۃ الادیان' روشناس کرایا گیا۔۲۹؎

وحدتِ ادیان کے محرکات و نتائج

اگر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھنی مشکل نہیں کہ دشمنانِ اسلام مختلف ہتھکنڈوں سے ہمیشہ اسلام کی بیخ کنی میں مصروف عمل رہے ہیں، چاہے وہ ظلم کی راہ سے ہو یا خوش نما وعدوں کے ذریعے ۔ یہ لوگ اپنی ناپاک سازشوں کو کام یاب کرنے میں لگے رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طریقے سے مسلمانوں کو کم زور کر دیں اور انھیں مرتد و کافر بنا دیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ کَمَا کَفَرُوْا فَتَکُوْنُوْنَ سَوَاءً (النسائ:۸۹)

وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرنے لگو جیسے وہ خود کافر ہیں، تا کہ تم اور وہ یکساں ہو جاؤ۔

اسی بنا پر یہ لوگ کبھی دشمنی اور کبھی دوستی کے لبادے میں مختلف طریقوں سے مدد لیتے ہیں اور وحدت ادیان کے نظریے کی پشت پر یہی فکر کار فرما ہے۔

فلسفۂ وحدت ادیان کے پیچھے ایک اور محرک یہ خیال ہے کہ انسان اگر 'نیک نیتی' کے ساتھ زندگی گزارنے کا راستہ تلاش کرے تو وہ جس نتیجے پر بھی پہنچ جائے وہ درست ہے۔ اس خیال کے حاملین کو 'اضافیت کے قایلین' (Relativists) کہا جا سکتا ہے ۔گویا ان کے نزدیک 'مطلق حق' کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے، بلکہ حق یا سچائی کے مختلف روپ یا درجات ہیں۔ آدمی جس درجے تک بھی پہنچ جائے وہ اس کے لیے کافی ہے۔۳۰؎

فلسفۂ وحدت ادیان کے آغاز اور اس کی تعلیم کے فروغ کے پیچھے ایک محرک اسلام کی حقانیت کے خلاف ردعمل بھی ہے، خصوصاً ہند میں وحدت ادیان کی فکر کے فروغ کی بنیادی وجہ خود حفاظتی اور ہندو روحانیت کے قیام و دوام کی خواہش ہے۔۳۱؎

نظریۂ وحدت ادیان کو قبول کرنے اور اس کی تائید کرنے سے جو نتائج لازم آتے ہیں انھیں ذیل میں بیان کیا جا سکتا ہے :

۱۔عقیدۂ ولاء و براء کی نفی

اس کا اولین نتیجہ یہ لازم آتا ہے کہ شریعت اسلامی کے حکم 'الموالاۃ فی اللہ والمعاداۃ فی اللہ' سے روگردانی ہوتی ہے۔شیخ مقصود الحسن فیضی لکھتے ہیں:

''وحدت ادیان کا نظریہ عقیدۂ موالات ومعادات کے یکسر منافی ہے۔ حالاں کہ لا الہ الا اللہ کے شرائط ولوازم میں سے عقیدۂ موالات و معادات بھی ہے۔وحدت ادیان کا نظریہ قبول کر لینے کا صاف مفہوم یہ ہے کہ ہماری موالات اللہ ورسول اور اہل ایمان کے ساتھ ساتھ کفار و مشرکین اورمنافقین سے بھی ہے ۳۲۔

۲۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی نفی

اسلام کی حقانیت کوتسلیم کرتے ہوئے اور باقی ادیان کومنسوخ سمجھتے ہوئے مسلمانوں کوامر بالمعروف ونہی عن المنکر کا جوحکم دیا گیا ہے، ظاہر ہے، وحدت ادیان کو مان لینے سے اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔وحدت ادیان کی فکر کوتسلیم کر لینے سے خود بہ خودتمام مذاہب وادیان کی حقانیت کوتسلیم کرنا پڑتا ہے۔

۳۔روحِ جہاد کا خاتمہ

وحدت ادیان کا نظریہ قبول کر لینے کا ایک لازمی اثر یہ بھی ہے کہ اسلام میں جہاد نام کی کوئی چیز باقی نہ رہے، کیوں کہ جہاد کی اصل فرضیت اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مبارک دین کی تبلیغ میں اگر کوئی جماعت اور قوم رکاوٹ بنے تو اس کے خلاف جہاد فرض ہے۔اب جب سارے مذاہب ایک دوسرے کی حقانیت کوقبول کرلیں توکسی کواسلام کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔ چنانچہ جہاد کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ حامدکمال الدین اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''جہاد ادیان کا فرق نمایاں کرنے سے جنم لیتا ہے ، بلکہ دعوت بھی ادیان کا فرق نمایاں کرنے سے ہی جنم لیتی ہے۔ البتہ ادیان کے مابین وحدت یا اشتراک کی تلاش جہاد ہی نہیں ،دعوت کا بھی قتل ہے۔ ۴۰

جہاد کے احکام اوراس کے حدود وشرائط سے یہاں بحث نہیں ہے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔

۴۔علاقوں سے دست برداری کا اعلان

جب امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے عقیدے اور جہاد جیسے فریضے سے ہی رجوع کرلیا جائے تو اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے ایسے علاقے اور خطے ،جن پر غیر مسلم قابض ہیں، ان سے دست برداری کا اعلان کر دیا جائے۔ شیخ مقصود الحسن فیضی لکھتے ہیں:

''اس نظریہ کو قبول کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان ،خصوصاً عرب یا وہ مسلمان جو کسی بھی جگہ غیر مسلموں سے نبرد آزما ہیں اور ظالموں نے ان کی زمین، جائیداد ہڑپ کررکھی ہے،اب اپنا تنازعہ ختم کردیں، فلسطین پر ظالم یہودیوں کا قبضہ تسلیم کرلیں، فلسطین اور بیت المقدس کا مطالبہ ترک کر دیں، ہندوستانی مسلمان ہندوستان میں اپنا تشخص چھوڑ کر ہندوستانی تہذیب میں ضم ہوجائیں''۔ ۳۴

نظریۂ وحدتِ ادیان۔ اسلامی شریعت کی روشنی میں

شریعت اسلامیہ نظریۂ وحدت ادیان کو کلیۃً رد کرتی ہے۔ مختلف علماء کرام نے صراحت سے اس کو رد کیا ہے۔ شیخ بکر بن عبداللہ ابوزید کہتے ہیں:

''یہ ایک باطل نظریہ ہے جو اسلام کو تباہ وبرباد کردیتا ہے،حق اور باطل

یعنی اسلام اور دیگر مذاہب کو جمع کر دیتا ہے۔ درحقیقت یہ اسلام کی نظریاتی بنیادوں پر ایک شدید حملہ ہے۔ ۳۵؎

مزید لکھتے ہیں:

''معبود واحد ہے، اگرچہ اس تک پہنچنے والے راستے مختلف ہیں، یہ ہمیشہ سے وحدت ادیان کے داعیوں کا نعرہ رہا ہے۔ یہ عین کفر اور گم راہی ہے۔ دین اسلام تو تمام ادیان کو منسوخ کرنے والا ہے''۔ ۳۶؎

سعودی عرب کی مستقل فتوی کمیٹی (اللجنۃ الدایمۃ للبحوث العلمیۃ) نے ایک موقع پر 'وحدتِ ادیان' کے بارے میں یہ رائے دی تھی:

''وحدت ادیان کی طرف اگر کوئی مسلمان دعوت دے تو یہ صریح ارتداد ہے، اس لیے کہ یہ بنیادی عقیدہ سے متصادم ہے۔ اس سے کفر پر راضی ہونا لازم آتا ہے اور قرآن کی صداقت پامال ہوتی ہے۔ اسلام نے گزشتہ تمام ادیان و مذاہب کو منسوخ کیا ہے۔ وحدت ادیان سے اس کا انکار لازم آتا ہے۔ اس بنا پر یہ نظریہ قابلِ رد اور قطعی طور پر حرام ہے۔ قرآن وحدیث اور اجماع، سب سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ ۳۷؎

اس سے یہ بات اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ مسلمان کسی بھی دوسرے ایسے مذہب سے اتحاد نہیں کر سکتے، جس سے ان کے بنیادی عقائد پر زد پڑتی ہو اور اسلام میں کسی اور دین کی آمیزش کا شائبہ ہو۔

دیگر مذاہب اور اسلام کے درمیان ہم آہنگی کی حقیقت

سب سے پہلے تو اس حقیقت کا تعین کرنا ضروری ہے کہ اسلام کسی ایسے مذہب کا نام نہیں جو انسان کی صرف نجی اور انفرادی زندگی کی اصلاح کا داعی ہو اور جس کا کل سرمایہ کچھ عبادات، اذکار اور رسوم ہوں، بلکہ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اللہ اور اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی ہدایت کی روشنی میں زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر اور صورت گری کرتا اور زندگی کے ہر پہلو کو ہدایت الٰہی کے نور سے منور

کرتا ہے، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشرتی ہو یا تمدنی، مادی ہو یا روحانی، معاشی ہو، سیاسی، ملکی ہو بین الاقوامی۔ اسلام کی اصل دعوت یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر اسی کا قانون جاری و ساری ہو اور زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی تعلیمات ہی نافذ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْ □ كُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيناً (المائدۃ: ۳)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے۔

مولانا مودودیؒ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''دین کو مکمل کر دینے سے مراد اس کو ایک مستقل نظام فکر و عمل اور ایک ایسا مکمل نظام تہذیب و تمدن بنا دینا ہے جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا جواب اصولاً یا تفصیلاً موجود ہو اور ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آیے''۔ ۳۸؎

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسلَامِ دِيناً فَلَن يُقبَلَ مِنه (آل عمران: ۱۹)

''اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

دینِ واحد۔ اسلام

یہاں پر یہ بات سمجھنی بھی بہت ضروری ہے کہ دراصل اللہ کے نزدیک قابلِ اتباع دین ایک ہے اور وہ اسلام ہے، جس کی دعوت تمام انبیاء نے دی اور اسی سلسلے کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔

مسلمانوں کی کثیر تعداد یہی سمجھتی ہے کہ اسلام کی ابتدا شریعت محمدیہ سے ہوئی۔ اگرچہ یہ بات ایک خاص جہت سے درست ہے، لیکن 'اسلام' کو اس معنی میں محصور کر لینے سے ذہن دین اسلام کے اطلاقی مفہوم سے قاصر رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا کہ دین ایک ہی ہے، جو ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا۔ چنانچہ اسلام کے اس اصلی مفہوم کو سمجھ کر ہم وحدت ادیان کے قائل لوگوں کی بات کو رد کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں، یعنی اس سے وحدت ادیان کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے، کیوں کہ دین تو بس ایک ہی ہے، چنانچہ جب دوسرا دین کوئی ہے ہی نہیں سوائے اسلام کے، تو ادیان کی وحدت کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّٰهِ الإِسْلاَمُ (آل عمران: ۱۹)

بے شک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

علامہ سیوطی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اسلام اللہ کا وہ دین ہے جسے اس نے مشروع کیا ہے اور اس کے ساتھ اپنے انبیاء کو مبعوث کیا ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں نے اس کی توضیح وتشریح کی ہے۔ اللہ اس کے علاوہ کسی دین کو قبول نہیں کرے گا اور صرف اسی کے مطابق عمل کرنے پر بدلہ دیا جائے گا۔

وہ امام ضحاکؒ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا کہ اِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّٰهِ الإِسلاَمُ سے کیا مراد ہے؟ اس کا انہوں نے جواب دیا: "اللہ نے کسی رسول کو اسلام کے علاوہ کوئی دین دے کر نہیں بھیجا ہے"۔ ۳۹ے

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام انبیاء ورسل اسلام ہی کی دعوت لے کر آئے تھے اور جن لوگوں نے اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا وہ مسلم نہیں اور اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالُوا كُونُوا هُوداً أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (البقرۃ: ۱۳۵)

یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی ہو جاؤ تو

ہدایت پاؤ گے۔ ان سے کہو کہ نہیں، بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیم کا طریقہ اختیار کرلو اور ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے نہ تھا۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''اس جواب کی لطافت سمجھنے کے لیے دو باتیں نگاہ میں رکھیے: ایک یہ کہ یہودیت وعیسائیت دونوں بعد کی پیداوار ہیں۔ یہودیت اپنے اس نام اور اپنی مذہبی خصوصیات اور رسوم وقواعد کے ساتھ تیسری چوتھی صدی قبل مسیح میں پیدا ہوئی اور عیسائیت جن عقائد اور مخصوص مذہبی تصورات کے مجموعے کا نام ہے وہ تو حضرت مسیح کے بھی ایک مدت بعد وجود میں آئے ہیں۔ اب یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ اگر آدمی کے برسر ہدایت ہونے کا مدار یہودیت یا عیسائیت اختیار کرنے ہی پر ہے تو حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاء اور نیک لوگ جو ان مذہبوں کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور جن کو خود یہودی اور عیسائی بھی ہدایت یافتہ مانتے ہیں، وہ آخر کس چیز سے ہدایت پاتے تھے؟ ظاہر ہے کہ وہ یہودیت اور عیسائیت نہ تھی۔ لہٰذا یہ بات آپ سے آپ واضح ہوگئی کہ انسان کے ہدایت یافتہ ہونے کا معیار ان مذہبی خصوصیات پر نہیں ہے جن کی وجہ سے یہ یہودی اور عیسائی وغیرہ مختلف فرقے بنے ہیں، بلکہ دراصل اس کا مدار اس عالم گیر صراط مستقیم کے اختیار کرنے پر ہے، جس سے ہر زمانے میں انسان ہدایت پاتے رہے ہیں۔[۴۰]''

اور عالم گیر ہدایت محض دینِ اسلام ہے، اور کوئی نہیں۔

دیگر مذاہب کے ساتھ اسلام کا تعلق

اسلام نے دیگر مذاہب کے بارے میں یہ ہدایات دی ہیں، جن کی پابندی کی جانی چاہیے:

احترام مذہب

اسلام کے برحق اور واحد قابل اتباع دین ہونے کے باوجود مسلمانوں کو اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ وہ دیگر مذاہب کے ساتھ احترام کا معاملہ رکھیں اور ان کے وہ عقائد جو مسلمانوں کے لیے نا قابلِ قبول ہیں ان کو محض بحث و مباحثہ کی غرض سے برا بھلا نہ کہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلاَتَسُبُّواالَّذِيْنَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْواً بِغَيْ □ رِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الانعام: ۱۰۸)

اے ایمان والو! یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں ان کو گالیاں نہ دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔

مکالمہ بین المذاہب

چوں کہ مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ اسلام ہی دین برحق ہے، اس لیے ان پر یہ لازم کیا گیا کہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ چوں کہ وہ آخری امت ہیں، اس لیے تمام انسانوں تک پیغامِ الٰہی پہنچانا ان کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دعوت دینے والوں کے لیے مکالمے کے اسالیب کی نشان دہی کر دی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ادْعُ إِلِى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ (النحل: ۱۲۵)

دعوت دو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور مباحثہ کرو لوگوں سے ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو۔

اس آیت میں دعوت و تبلیغ کے تین بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں: حکمت،

موعظۃ حسنۃ اور مجادلہ احسن۔ یہ تین چیزیں مخاطبین کی تین اقسام کی بنا پر ہیں:

دعوت بالحکمۃ: اہل علم وفہم کے لیے۔

دعوت بالموعظۃ: عوام کے لیے۔

مجادلۂ احسن: ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں شکوک وشبہات ہوں، جو ہٹ دھرمی کی بنا پر حق کے منکر ہوں۔ [۴۱]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (آل عمران: ۶۴)

کہو، اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو، ہم تو مسلم ہیں۔

بدی کا جواب نیکی سے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (حٰمٓ السجدہ: ۳۴)

اور (اے نبی!) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔

اس آیت کے ذریعے مسلمانوں کو ایک اہم تعلیم یہ دی گئی ہے کہ وہ دیگر مذاہب والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور اگر وہ ان کے ساتھ برائی سے پیش آئیں تو ان کا جواب اچھائی سے دیں۔

ان تعلیمات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ مکالمہ بین المذاہب سے مذاہب کی تعلیمات کا ملغوبہ تیار کر کے اتحاد قائم کرنا مراد نہیں لیا جا سکتا، بلکہ اس سے صرف یہ مراد ہو سکتا ہے کہ مذاہب کے پیرو کار مشترکہ مقاصد کے حصول کی خاطر باہم تعاون و رواداری کا مظاہرہ کریں۔ لیکن اگر اس رواداری کا مطلب مذاہب کی تعلیمات کا اتحاد کر کے کوئی نیا عالمی مذہب (Global Religion) بنانا ہے تو ایسا کرنا ہرگز روا نہیں۔ کیوں کہ اگر اسلام 'لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ' کے نقطۂ نظر کا حامل ہے تو اس کے پاس 'لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ' کی تعلیم بھی موجود ہے۔ اگر مقصد یہ ہو کہ اپنے مسلک کے خلاف ہم اپنے اوپر دوسروں کے مسلک کا تسلط برداشت کر لیں گے تو یہ رواداری نہیں، بلکہ فتنۂ رواداری ہے۔ ۴۲ے

حواشی و مراجع

۱۔ ڈاکٹر احمد بن عبدالرحمن، دعوۃ التقریب بین الادیان، دار ابن الجوزی، الریاض، ۱۴۲۱ھ، ۱/ ۳۳۹

۲۔ بسام داؤد عجک، الحوار الاسلامی المسیحی، دار طیبۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء، ص ۴۱۷

3. Y. Masih, Introduction to Religious Philosophy, P. 359, Motilal Banarsidas Pub., 31 May, 1991.

۴۔ وحید الدین خان، ماہ نامہ الرسالہ، مضمون: 'وحدت ادیان کا نظریہ'، اکتوبر ۲۰۱۳ئ، نظام الدین ویسٹ مارکیٹ، نیو دہلی، ص ۱۰

۵۔ سلطان احمد اصلاحی، وحدت ادیان کا نظریہ اور اسلام، دار التذکیر، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۰

۶۔ محمد عبدالرحمن عوض، الاسلام والادیان، ضوابط التقریب بین البشر، دار البشر، القاہرۃ، سن ندارد، ص ۷

۷۔ ڈاکٹر خالد بن عبد الرحمن الجریسی، ، فتاوی علماء البلد الحرام، اللجنۃ الدایمۃ لبحوث العلماء، مؤسسۃ الجریسی للتوزیع والاعلان، الریاض، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ئ، ص ۱۱۷

۸۔ دعوۃ التقریب بین الادیان، ۱/ ۳۲۲

۹۔ ابو زید، بکر بن عبداللہ، الابطال لنظریۃ الخلط بین دین الاسلام وغیرہ من الادیان، دار العاصمۃ

للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۴۱۷ھ، ص ۲۴

۱۰۔ حوالۂ سابق، ص ۱۶

۱۱۔ حوالۂ سابق، ص ۱۶، مقصود الحسن فیضی، وفاداری یا بیزاری، نور اسلام اکیڈمی، لاہور س۔د

۱۲۔ ابن جریر الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴ئ، ۷/ ۵۶۷، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ئ، ۸/ ۴۷۹، قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القراان، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ئ، ۲۲/ ۵۳۳

۱۳۔ جصاص، ابوبکر، احمد بن علی، احکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ئ، ۵/ ۳۷۶

۱۴۔ احسان الٰہی ظہیر، تصوف۔تاریخ وحقائق، ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور، اگست ۲۰۱۰ئ، ص ۱۶۷

۱۵۔ بحوالہ طارق عبدالحلیم، د۔محمد العبدہ، صوفیت کی ابتداء و ارتقائ، ترجمہ: الصوفیۃ: نسأتھا و تطورھا، مترجم: مدثر احمد لودھی، مرکز دار الارقم، ۲۰۰۷ئ، ص ۶۷

۱۶۔ حوالۂ سابق

۱۷۔ الابطال لنظریۃ الخلط بین دین الاسلام وغیرہ من الادیان، ص ۱۸

۱۸۔ تفصیل سے ان کا رد پڑھنے کے لیے دیکھیں: ابن تیمیہ، احمد، الحرانی، مجموعۃ الفتاوی، دار الوفاء للنشر والتوزیع، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ئ، ۵/ ۴۷۔۷۹، کتاب الرد علی المنطقیین، دار ترجمان السنۃ، پاکستان۔۱۹۷۶ء

۱۹۔ تارا چند، ڈاکٹر، تمدن ہند پر اسلامی اثرات، مترجم: محمد مسعود احمد، مجلس ترقی ادب، لاہور، دسمبر ۱۹۶۴ئ، ص ۲۴۵

۲۰۔ حوالۂ سابق، ص ۲۵۱، ۲۷۰

۲۱۔ حوالۂ سابق، ص ۲۷۰

۲۲۔ عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، جمیل جالبی، ڈاکٹر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۲۶۰

۲۳۔ تفصیل سے پڑھنے کے لیے ملاحظہ کیجیے: برصغیر میں اسلامی کلچر، ص: ۲۶۰۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۵ئ، ص ۱۲۳۔ ۱۲۵

۲۴۔ نذیر احمد بھٹی، عبدالرؤف ظفر، بہائیت اور اس کے معتقدات، قرآنک عربک فورم، بہاول پور،

مارچ۱۹۹۹ئ ،ص ۲۰، ۵۴

25. Abdul Baha, Baha'i World Faith, P. 246,247,US Baha'i Publishing Trust, 1976

۲۶۔ تفصیل ملاحظہ کیجیے:

Mark Stavish, Freemasonry: Rituals, Symbols & History of the Secret Society, Llewellyn Publications Woodbury Minnesot, USA, 2007

۲۷۔ الابطال، ص ۲۰

۲۸۔ جوادرفعت اتلخان، اسرار الماسونیۃ، دارالتراث العربی، لیبیا، س۔ن، ص ۲۳

۲۹۔ محمد الغزالی، قذائف الحق، دارالقلم، دمشق، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ئ، الابطال، ص ۹، الاسلام والادیان، ص ۳۶

۳۰۔ وحدت ادیان کا نظریہ (الرسالہ)، ص ۱۰

۳۱۔ برصغیر میں اسلامی کلچر، ص ۲۱۴

۳۲۔ وفاداری و بیزاری، ص ۲۲، اسلام میں عقیدہ ولاء و براء کی اہمیت اور حکم کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: القحطانی، محمد بن سعید، الولاء والبراء فی الاسلام، دار طیبۃ، مکۃ المکرمہ، ۱۴۰۱ھ

۳۳۔ سہ ماہی ایقاظ، مضمون 'سعودی عرب۔ تقارب ادیان کی راہ پر'، حامد کمال الدین، جنوری تا مارچ۲۰۰۹ئ ،ص ۱۶۹

۳۴۔ وفاداری و بیزاری، ص ۲۵

۳۵۔ معجم المناھی اللفظیۃ، ص ۳۷۱

۳۶۔ حوالۂ سابق، ص ۵۲۰

۳۷۔ فتاوی علماء البلد الحرام، ص ۱۲۱

۳۸۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ستمبر ۲۰۱۱ء، ۱/ ۴۴۴

۳۹۔ سیوطی، جلال الدین، علامہ، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، مرکز ھجر للبحوث والدراسات، القاھرۃ، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ئ، ۳/ ۵۸۸۔

۴۰۔ تفہیم القرآن، ۱/۵/۱۳۵۔

۴۱۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، فروری، ۲۰۰۶ء، ۵/ ۴۔۶

۴۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: مولانا مودودی، اسلامی ریاست، باب اول، بحث: رواداری کا غلط تصور اور اس کا جائزہ، اسلامک پبلی کیشنز، ستمبر ۲۰۰۸ئ، ص ۶۲۔۷۰

اسلام کی دعوت

مولانا سید جلال الدین عمری

رسول کی تعریف اور اس کی ذمہ داریاں، حضرت محمد مصطفی ﷺ کا عظیم کارنامۂ دعوت، مباحثِ دعوت، دعوت اور اتباع، دعوت و اصلاح کی ترتیب، دعوت کے اصول وآداب، انکار دین کے اسباب، دعوت کے لیے ضروری اوصاف (ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ، نماز، زکوۃ، اخلاص اور استقامت) دعوت اور تنظیم، اور تنظیم کیسے مستحکم ہوتی ہے؟ جیسے اہم اور ٹھوس موضوعات پر خالص داعیانہ گفتگو۔ کتاب کے مطالعے سے قاری پر دعوت وتبلیغ کا تصور واضح ہوگا اور اسے اپنے اندر کارِ دعوت کے لیے جذبہ وحرارت کا بھی احساس ہوگا۔ فاضل مصنف کی نظر ثانی اور ضروری حذف واضافہ کے بعد تازہ اور دلکش ایڈیشن۔

صفحات: ۳۴۴ قیمت: ۲۲۵ روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر– ۹۳، علی گڑھ–۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی–۲۵